گفتگو:- پروفیسر حافظ محمد وکیل شاہ
ترتیب:- سید محمد کفیل بخاری

کچھ دیر شاہ جی کی مجلس میں

اب سے اڑتیس برس اُدھر کی بات ہے، ۱۹۵۴ء کا زمانہ اور میرا طالب علمی کا دور- میں ایمرسن کالج ملتان میں بی- اے کا طالب علم تھا- اور حسن اتفاق سے میرا قیام بھی تعلیم کے سلسلہ میں حضرت امیر شریعت کے ہاں تھا- حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ ان دنوں تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں جیل سے رہائی پا چکے تھے- شاہ جی کو اس آخری قید میں مسلم لیگی حکومت نے جو اذیتیں پہنچائی تھیں ان کی وجہ سے مختلف عوارض نے انہیں آلیا تھا- وہ اپنی شدید بیماری کی وجہ سے تمام تبلیغی اسفار موقوف کر کے اکثر گھر پر ہی موجود رہتے- تحریک تحفظ ختم نبوت میں بعض "علماء" کے مشکوک کردار، جیل سے رہائی کے لئے حکومت کو معافی نامے پیش کرنے، گردو پیش کے حالات و واقعات، حوادث روز و شب، قوم کی بے حسی اور خواجہ ناظم الدین کی مسلم لیگی حکومت کی طرف سے تحریک میں بے گناہ مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و تشدد اور اس کے نتیجے میں دس ہزار مسلمانوں کی شہادت نے حضرت شاہ جی کو بہت ہی دل شکستہ کر دیا تھا- انہی پے در پے صدمات نے شاہ جی جیسے مضبوط انسان کو جسمانی طور پر گھائل کر دیا تھا- اعصاب مضمحل ہو گئے تھے- اور وہ ان حوادث و سانحات پر کڑھتے رہے- ان دنوں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات صبح تا شام آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے رہتے- شاہ جی کا زیادہ وقت اپنی بیٹھک میں ہی گزرتا- اس دور میں جتنی بھی نشستیں ہوئیں وہ خالصتاً علمی، ادبی، سیاسی اور تاریخی نوعیت کی تھیں-

اپنی تعلیمی مصروفیات سے فراغت کے بعد جو وقت بھی بچتا تو میری پوری کوشش اور دلی خواہش ہوتی کہ میں اس قیمتی وقت کو حضرت امیر شریعت کی ان بیش بہا مجالس میں صرف کروں- اور اس دستر خوان سے علم و حکمت کے موتی چن سکوں- چنانچہ ان مجالس میں کچھ دیر بیٹھنے اور شاہ جی کے ملفوظات سے استفادہ کے مواقع مل جاتے- شاہ جی اپنے ہاں آنے والے مختلف مکاتبِ فکر اور مختلف علوم و فنون سے تعلق رکھنے والے احباب سے بے تکلف گفتگو فرماتے- اس میں دین و سیاست، شعر و سخن اور تاریخ و ادب غرض ہر موضوع پر سیرحاصل گفتگو ہوتی- گویا شاہ جی عام جلسوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی بیٹھک میں ہی روزانہ جلسہ کر لیتے- علماء آتے تو ترجمۂ قرآن حکیم کے اسلوب اور بے شمار دینی مسائل و معارف کے باب کھل جاتے- فنِ تجوید و قرأت کا کوئی ماہر آجاتا تو اس سے تلاوت قرآن کریم کی فرمائش کر کے کیف و سرور حاصل کرتے- قرآنی علوم و معارف سے دلچسپی رکھنے والے آتے تو قرآن کریم کے مطالب و معانی اور تفسیری نکات پر گفتگو چھڑ جاتی جو گھنٹوں جاری رہتی- اہلِ دل آتے تو تصوف، احسان اور سلوک کے مضامین کھل جاتے- شاعر اور ادیب آتے تو ادب و انشاء کے در وا ہو جاتے- اور جدید و قدیم ادب و شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا جانے لگتا-

صحافی آتے تو خبر، اس کی صحت، قدیم وجدید طرزِ صحافت اور اصولِ فنِ صحافت پر طبع آزمائی ہونے لگتی۔ سیاست دان آتے تو برصغیر کی پوری دینی، سیاسی، ملی اور قومی تاریخ کا تجزیہ شروع ہو جاتا۔ اور عصرِ حاضر کی مفاداتی سیاست پر تیر و نشتر برسنے لگتے۔ غرض یہ مجالس علمی، دینی اور سیاسی تاریخ کا عظیم سرمایہ تھیں۔ جن سے ہر شخص بلاتکلف اپنے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر سکتا تھا۔ یہ شاہ جی کا دمِ واپسیں تھا اور انہوں نے ان مجالس میں اپنے سیاسی سفر کی پوری کہانی بیان کر دی تھی۔ گفتگو کا رنگ ہی کچھ ایسا ہوتا کہ سامع اس میں کھو جاتا اور لکھنے کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی۔ اگر کوئی نوٹس لینے کی کوشش کرتا تو آپ ڈانٹ کر فرماتے: "کون لکھ سکتا ہے میری کہانی کو، اور کیا لکھے گا کوئی، ایک طوفان تھا جو برق رفتاری سے گزر گیا۔ میری باتوں کو دماغ میں محفوظ کر سکتے ہو تو کر لو۔ جب سے حافظے کی جگہ تحریر نے لی ہے قوم تباہ ہو گئی ہے"۔

یہ تو محض ان کا عجز و انکسار تھا۔ انہوں نے تمام عمر نام و نمود کی خواہش نہ کی۔ بس ایک بلند نصب العین کو لے کر اٹھے اور برصغیر کی فضاؤں پر چھا گئے۔ آزادی کے محاذ پر ہی نہیں بلکہ ہر محاذ پر ایک سپاہی کی حیثیت سے دیوانہ وار لڑے۔ اور ہر طبقہ کے افراد کو متاثر کیا۔ اگر شاہ جی کی ان مجالس میں شریک ہونے والے احباب ہی توجہ فرما کر اپنی یادداشتیں تحریر کر دیتے تو یقیناً ایک بہت بڑا علمی اور تاریخی سرمایہ محفوظ ہو کر نئی نسل کو منتقل ہو جاتا۔ جس سے آج نہ صرف نژادِ نو اپنے شاندار ماضی سے باخبر ہوتی بلکہ اپنے تابناک مستقبل سے بھی ہم آہنگ ہو جاتی۔

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کو قرآن کریم سے بے پناہ شغف اور والہانہ محبت تھی۔ قرآن کے معانی و مفاہیم میں غور و تدبر، حسین اندازِ تلاوت اور زندگی کے تمام مسائل و عنوانات پر قرآن حکیم سے استدلال ہی ان کی خطابت کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہ سب کچھ اُن کے کلام اللہ سے والہانہ شغف کے نتیجہ میں اللہ جل شانہ، نے اُنہیں فطری طور پر ودیعت فرمایا تھا۔ وہ نجی مجلس میں سخن طراز ہوں یا انسانوں کے بحرِ بے کراں میں تیرتے ہوں۔ ہمیشہ اس حقیقت کا فخریہ اعتراف کرتے کہ میں قرآنِ کریم کا ایک طالب علم ہوں اور خواجہ حافظ شیرازی کی زبان میں فرماتے:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

آپ اکثر فرمایا کرتے

"مجھے تو قرآن کریم کے مطالعہ سے ہی فرصت نہیں اور اس ایک کتاب کے مطالعہ نے دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے"۔

قرآن کریم کے ترجمہ کے معاملہ میں آپ بہت حساس اور ذوقِ لطیف کے حامل تھے۔ اس کے مطالب و معانی کو عام انداز سے ہٹ کر بیان فرماتے۔ ایسے الفاظ جو معنیٰ کی وسعت اور ہمہ گیری کو اجاگر کریں انہیں بہت پسند تھے۔ علماء کی مجلس میں اس موضوع پر ان کی طبیعت کھل جاتی۔ اور جب وہ اپنے خاص انداز میں

قرآن کی بعض آیات کا ترجمہ بیان فرماتے تو ایسے خوبصورت نکات منظر عام پر لاتے کہ اہل علم بے اختیار ہو کر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے۔

علماء کی ایک مجلس میں

"وتوفنا مع الابرار"

کا ترجمہ پنجابی زبان میں آپ نے یوں فرمایا:

"اتے پوری پا ساڈھی نال نیکاں دے"

علماء مجلس عش عش کر اٹھے۔ بالخصوص استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ "شاہ جی! اللہ پاک نے قرآن فہمی کا جو ذوقِ لطیف آپ کو عطاء فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مزید فرمایا کہ لغوی اعتبار سے بھی بالکل یہی ترجمہ بنتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمۂ قرآن آپ کو بہت ہی محبوب تھا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ "مجھے "اللہ الصمد" کے معنیٰ میں ہمیشہ تردّد رہا لیکن جب حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ جیل میں پڑھا تو بہت سکون ملا اور تشنگی دور ہو گئی"۔ حضرت شاہ صاحب نے ترجمہ یوں فرمایا ہے۔ "اللہ نرادھار ہے" یعنی وہ ذات جس کا کام کسی بن نہ اٹکے اور کسی کا کام جس بن نہ چلے۔ اسی طرح "اھدنا الصراط المستقیم" کا ترجمہ ہمیشہ یوں بیان فرماتے "چلا ہم کو راہ سیدھی" اور اس معنیٰ میں یہ کیفیت پیدا کرتے کہ ہمیں اپنی درماندگی کا اعتراف ہے۔ ہم خود نہیں چل سکتے۔ اے اللہ، تو اپنی حفاظت و طاقت سے ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔

حضرت علامہ عبدالرشید نسیم طالوت رحمہ اللہ کا وجود اللہ پاک کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھا۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین، صاحبِ طرز ادیب اور حاضر جواب شاعر تھے۔ دینی اور علمی حلقوں میں آپ بہت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ حضرت امیر شریعت شاعری میں ان سے مشورہ بھی فرماتے۔ اور احتراماً انہیں استاد کہتے۔ ان دنوں وہ بھی حضرت امیر شریعت کی مجالس کے حاضر باش رکن تھے۔ اور قرآن حکیم کی مختلف آیات کے تراجم و معانی کے حوالہ سے مدلل اور لطیف نکات بیان فرماتے۔ وہ مختلف آیات کا "بھاشا" میں ترجمہ شاہ جی کو سناتے اور شاہ جی بہت محظوظ ہوتے۔ ترجمہ شاہ جی کو بہت ہی لطف دیتا۔ آپ اپنی تقاریر میں ان آیات کے تراجم کو جب اپنی خاص طرز اداء سے بیان فرماتے تو سامعین کی کیفیت ہی مختلف ہو جاتی۔ شاہ جی جو لطف خود اٹھاتے اپنے سامعین کو بھی اس میں پورا پورا شریک کر لیتے۔ بعض آیات کے تراجم تو اکثر ان کے وردِ زبان رہتے۔ مثلاً

اللہ

من موہن

واشرقت الارض بنور ربھا

اور جگمگا اٹھی دھرتی اپنے پالنہار کی جوت سے

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنیا

دھن اور پوست سب سنگھار رہیں دھرتی کے

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِد

تم سب کا ایک ہی مہا ٹھاکر ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَا الرَّحْمٰنُ الرَّحِیم

اس داتا مہر بھرے بنا کوئی اور پر۔تم نہیں۔

انہی دنوں ایک مجلس میں حضرت علامہ طالوت مرحوم نے انکشاف کیا کہ "یہ جو ترجمہ میں آپ کو سناتا ہوں اصل میں حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی مرحوم کا ہے۔ انہوں نے بھاشا میں مختلف آیاتِ قرآنی کا ترجمہ لکھا ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ میں نے اسی سے دیکھ کر آپ کو سناتا ہوں"۔

حضرت شاہ جی کے مطالبہ پر حضرت علامہ طالوت وہ ترجمہ اٹھا لائے اور شاہ جی نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اسے نقل کر دوں۔ چنانچہ میں نے بڑی محنت سے ایک کاپی پر اسے نقل کر دیا۔ حضرت امیر شریعت اکثر اوقات اس کاپی کو ساتھ رکھتے اور یہ ترجمہ ان کے زیر مطالعہ رہتا۔ (یہ ترجمہ حال ہی میں بھارت میں شائع ہو چکا ہے)

اس واقعہ کو پورے اڑتیس برس گزر گئے ہیں۔ مگر شاہ جی کی ان مجالس علمی و ادبی کے نقوش اب بھی تازہ ہیں۔ وہ تو ایسی بہار آفریں شخصیت تھے کہ ان کی مجلس میں آنے والا ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدماتِ ملی و دینی قبول فرمائے۔ (آمین)

●

آج دنیا ترستی ہے

میں نے اسی سالہ زندگی میں درجنوں بڑے بڑے خطیبوں کو سنا لیکن حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کا مثیل نہ دیکھا نہ سنا۔ وہ آیات یا اشعار پڑھتے تو فضا جھوم اٹھتی۔ وہ متبحر عالم بھی تھے اور شگفتہ مزاج ادیب بھی۔ وہ دلچسپ حکایت سے دلچسپ نتائج اخذ کرتے تھے اور علمی نکات اور لطائف کے امتزاج سے خطابت میں انتہا درجہ کی تازگی و شگفتگی بھر دیتے تھے۔ ان کی ساری زندگی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے اور مرزائیوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی۔ تزکیۂ نفس اور مرزائیت آپکے خاص موضوع تھے۔ آج دنیا اس سلاست، حلاوت اور فصاحت کو ترس رہی ہے جو شاہ جی دنیا میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم۔ "میری داستان حیات")